ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

عدل کا قرآنی تصور

عدل کی شرعی اور اصطلاحی معنویت کو واضح کرنے کے لیے اس کے لغوی پس منظر سے آگاہی حاصل کرنا فائدے سے خالی نہیں ہوگا، ابن منظور (لسان العرب) نے عدل کی لغوی تعریف یوں کی ہے :

"العدل : ما قام في النفوس أنه مستقيم وهو ضد الجور" یعنی عدل ایک ایسی شے ہے جس کے بارے میں دلوں کو یہ پختہ یقین ہو کہ یہ سیدھی ہے اور عدل کی ضد جور ہے۔ "العدل : الحكم بالحق" عدل سے مراد حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور حکم چلانا ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں : هو "يقضي بالحق و يعدل" یعنی وہ حق کے مطابق فیصلے دیتا اور عدل و انصاف کرتا ہے، اور کہتے ہیں : هو حكم عدل : ذو معدلة في حكمه" یعنی قاضی عادل وہ ہے جو فیصلہ کرنے میں انصاف کرے، اہلِ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ : "العدل من الناس : المرضي قوله و حكمه" یعنی انسانوں میں عدل (یا عادل ہونا) اس شخص کو کہتے ہیں جس کا قول اور فیصلہ لوگوں کے لئے تسلی و اطمینان کا باعث ہو۔

گویا عربی زبان کے لفظ عدل کے معنی و مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ قانونی فیصلہ ہو یا حکمرانی کا کوئی انتظامی یا سیاسی اقدام ہو اس میں حق و انصاف کو پیش نظر رکھا جائے گا کہ ہر فیصلہ اور اقدام لوگوں کے لیے تسلی اور اطمینان کا باعث ثابت ہو۔ غالباً اسی مفہوم کے پیش حضرت ابراہیم نخعی عدل (یا عادل) اس شخص

کو کہتے ہیں جس سے کوئی ایسی بات کبھی سرزد نہ ہوئی ہو جو کسی کے لیے پریشانی یا شک کا مؤجب ہو (العدل الذی لم تظھر منہ ریبة)

عبدالملک بن مروان کی درخواست پر سعید بن جبیر[7] نے عدل کے معنی و مفہوم کو واضح کرتے ہوئے لکھا تھا کہ عدل کے چار پہلو ہیں :

(۱) ''العدل فی الحکم'' یعنی نظام حکومت میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو اس میں نظام قضاء یعنی عدالتی نظام کا عدل و انصاف بھی شامل ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

واذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل (جب لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو تو عدل و انصاف سے فیصلے کیا کرو - سورہ نساء ۵۸)

(۲) ''العدل فی القول'' یعنی زبان سے عدل و انصاف ہی کی باتیں ادا ہوں ، گفتگو میں تحریر و تقریر میں حق و انصاف کا ساتھ دیا جائے ، اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے :

واذا قلتم فاعدلوا ولوکان ذا قربٰی (جب بات کرو تب بھی حق و انصاف کی بات کرو خواہ تمہاری حق گوئی کی زد تمہارے کسی رشتہ دار پر ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو ، سورہ انعام ۱۵۲)

(۳) ''العدل : الفدیہ'' یعنی قرآن میں عدل کے تیسرے معنی فدیہ یا برابر کا معاوضہ بھی ہے - اس ضمن میں ارشاد ربانی ہے :

ولا یقبل منھا شفاعة ولا یوخذ منھا عدل (اس کی نہ تو شفاعت قبول ہوگی اور نہ ہی اس سے کوئی فدیہ یا معاوضہ لیا جائے گا ، سورہ بقرہ ۴۸)

''ولا یقبل منھا عدل ولا تنفعھا شفاعة (نہ تو اس کا فدیہ

یا معاوضہ قبول ہوگا اور نہ اسے شفاعت نفع دے گی ، سورہ بقرہ ۱۲۳)

(۴) ''العدل فی الاشراک'' یعنی قرآن مجید میں عدل کا لفظ شریک ٹھہرانے یا برابر ماننے کے لئے بھی وارد ہوا جیسے ارشاد خداوندی ہے :

: والذین لا یومنون بالآخرة وهم بربهم یعدلون'' (اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں ، سورہ انعام آیت : ۱۵۰)

''ثم الذین کفروا بربهم یعدلون'' (پھر وہ لوگ جو کافر ہوئے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں ، سورہ انعام آیت : ۱)

حضرت سعید بن جبیر نے یہاں قرآن میں لفظ عدل کے استعمال کے صرف چار پہلو کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن اللہ تعالی کی کتاب عظیم میں عدل کا لفظ زندگی کے کئی ایک اور پہلوؤں کے لیے بھی وارد ہوا ہے مثلاً مالیاتی دستاویز تیار کرنے یا شہادت حق ادا کرنے میں عدل کرنا :

(۵) ''العدل فی الاملاء والکتابة'' یعنی کوئی مالیاتی دستاویز تیار کرتے وقت املاء کراتے اور ضبط تحریر میں لاتے وقت بھی حق و انصاف کا ساتھ دیا جائے اور قانون عدل کے تقاضے پورے کیے جائیں - ارشاد باری تعالی ہے :

''یایها الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی أجل مسمی فاکتبوه ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولایأب کاتب أن یکتب کما علمه الله فلیکتب ولیملل الذی علیه الحق ولیتق الله ربه ولا یبخس منه شیئا فان کان الذی علیه الحق سفیها أو ضعیفا أو لا یستطیع أن یمل هو فلیملل ولیه بالعدل (اے ایمان والو جب ایک دوسرے کو

کوئی قرض دو ایک طے شدہ مدت کے لیے تو اس سلسلے میں (دستاویز) لکھ لیا کرو ، تمھارے درمیان کی یہ دستاویز لکھنے والا حق و انصاف کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے ، کوئی لکھنے والا دستاویز تیار کرنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے علم دے رکھا ہے اسی طرح ضبط تحریر میں لے آیا کرے ، جس پر کسی کا حق بنتا ہے وہ املاء (لکھوا دیا کرے) کرا دیا کرے ، اپنے اللہ رب العزت سے ڈرتا رہے اور ذرہ بھر بھی کمی یا کھوٹ سے کام نہ لے اور اگر جس نے کسی کا کچھ دینا ہے وہ کم عقل یا کمزور ہے یا املاء کرا نہیں سکتا تو اس کا سرپرست حق و انصاف کے ساتھ املاء کرا دے سورہ بقرہ آیت ۲۸۲)

(٦) ''العدل فی الشھادۃ'' : یعنی شہادت حق میں بھی انصاف اور قانون عدل کے تقاضے پورے کرنے کی تاکید ہے ، اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں :

واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ (اپنے میں سے دو حق و انصاف والے گواہ بنا لیا کرو ، اور اللہ کے لیے سچی گواہی کا سلسلہ قائم کرو ، سورہ الطلاق : ۲)

(۷) ''العدل فی العواطف و المشاعر'' یعنی جذبات و احساسات میں بھی حق و انصاف اور قانون عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے ، حکم ربانی ہے :

فلا تتبعوا الھوی أن تعدلوا و ان تلووا أو تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا (حق و انصاف کا ساتھ دینے یا عدل کرنے میں خواہشات اور جذبات کی پیروی مت کرنا ، اگر تم بات کو توڑ موڑ کر بیان کرو یا اغراض سے کام لو تو یاد رکھو اللہ تمھارے اعمال سے بخوبی آگاہ ہے - سورہ نساء آیت ۱۳۵)

مفسرین کرام علماء سلف نے عدل کی لفظی اور معنوی تشریح کے ضمن میں بہت پر حکمت و مفید باتیں لکھی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت مطہرہ میں عدل کو سر فہرست رکھنے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ عیاں ہو سکیں ، اللہ تعالیٰ کے نظام عدل نے حیات انسانی کے علاوہ کائنات کے نظام یا کارخانۂ قدرت کے لیے بھی بقا و دوام کا نظام عدل مہیا کر رکھا ہے ، توازن و اعتدال کے ساتھ کائنات کا نظام بھی باقی و دائم ہے اور اس کرۂ ارضی پر حیات انسانی کا دارومدار بھی اعتدال و توازن پر ہے - یہ اعتدال و توازن نظام عدل کا محتاج ہے ، ہر چیز کو اس کا حق مل جائے تو عدل و انصاف ہے اور اسی سے اعتدال و توازن قائم رہے گا ، اگر کسی چیز کے حق مرتبہ و مقام میں خلل پڑ جائے تو یہی خلل ظلم کہلائے گا اور اس سے نظام اعتدال و توازن برباد ہوگا - انسانی زندگی کا نظام اعتدال اور توازن متاثر ہو گیا تو پہلے بیماری پھر موت ہوگی ، معاشرے کا عدم توازن ظلم کو جنم دے گا اور انتشار اور تباہی اس کا انجام ٹھہرے گا ، اگر یہی عدم توازن و اعتدال نظام کائنات پر اثر انداز ہو گیا تو افلاک و سیارات اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر باہم ٹکرا جائیں گے اور اسی کا نام قیامت ہے !

علمائے سلف نے عدل کا اولین مفہوم توحید باری تعالیٰ پر پختہ ایمان قرار دیا ہے - اور کلمہ طیبہ کو دل جان سے ماننے اور زبان سے اقرار کرنے کو عدل قرار دیا ہے - حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیۃ مبارکہ میں عدل سے مراد یہی توحید لیتے ہیں جو شرک سے اجتناب کو محیط ہے - اسی اقرار توحید سے انسان فولادی عزم رکھنے والی ایک قوت بن جاتا ہے جو کسی خوف یا لالچ کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا وہ تو سعدی کے الفاظ میں قوت قاہرہ بن جاتا ہے جو بے نیاز بھی ہے اور بے خوف بھی :

موحد چو درپائے ریزی زرش   چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس   بریں است بنیاد توحید و بس

اور جو شخص شرک کی آرائشوں میں مبتلا ہو اور قوت کے سامنے جھکنے ، ہر

شے کے آگے سجدہ ریز ہونے اور ہر ایک سے توقع رکھنے کے باعث ہمیشہ بے سکون و پریشان رہتا ہے بلکہ وہ تو اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتا ہے اور خود کو بھی مٹا دیتا ہے اقبال کے نزدیک تو مشرک قدم قدم پر لٹتا اور مٹتا رہتا ہے ، ہر لمحہ ہر قدم کچھ کھونے یا کرنے سے ڈرتا رہتا ہے بقول اقبال :

بیم غیراللہ عمل را دشمن است　　کاروان زندگی را رہزن است

اور ایک شاعر کے نزدیک تو یہ مشرک جہاں سے کچھ پانے یا فائدہ کی توقع رکھتا ہے وہاں سے بھی اسے آفات و مصائب میسر آئیں گے :

اذا کان غیر اللہ للمرء عدۃ　　اتتہ الرزایا من وجوہ المکاسب

یعنی جب کوئی شخص غیراللہ کو اپنا ساز و سامان تصور کر لے گا تو پھر اسے جہاں سے کچھ کمانے کی توقع تھی وہاں سے بھی آفات ہی میسر آئیں گی !

حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد کہ عدل سے مراد توحید حق پر ایمان ہے اصل میں عدل کے ایک ہی پہلو کو عیاں کرتا ہے ، طبری (تاریخ طبری جلد چہارم ص ۹۹) نے ابن عباسؓ کے اس قول کی خوبصورت توجیہ و تشریح کی ہے ، وہ کہتا ہے :

''اے محمدؐ جو کتاب تجھ پر نازل کی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ آپ کو عدل کا حکم دیتے ہیں اور عدل سے مراد ہے انصاف اور یہ انصاف نعمت عطا کرنے والے کے اعتراف اور اس کی کرم نوازی پر شکریہ کو واجب ٹھہراتا ہے تاکہ حمد و ستائش صرف اسی ہستی کے لئے مختص ہو جو اس کی اہل و مستحق ہے ، تو اب اگر اس کا نام عدل و انصاف ہے تو پھر اوثان و اصنام حمد و ستائش کے کسی طرح بھی مستحق نہیں ہیں اور ان کی عبادت کرنا یا ان کی پرستش کرنا ہماری جہالت و نادانی نہیں تو اور کیا ہے ؟ اسی لئے تو کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ یہاں عدل سے مراد شہادت لا الہ الا اللہ ہے !''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول عدل کے ایک دائرے یا پہلو پر روشنی ڈالتا ہے لیکن عدل کے تین دائرے ہیں اور ان تینوں دائروں میں پورے طور پر عمل کرنے سے ہی انسان عادل بن سکتا ہے یا عدل کے صحیح تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ عدل کا ایک دائرہ انسان کی اپنی ذات ہے ، دوسرا دائرہ کائنات ارض و سما میں اللہ کی مخلوق ہے اور تیسرا دائرہ انسان اور اس کے خالق و مالک کے باہمی تعلق پر محیط ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد اسی تیسرے دائرے سے تعلق رکھتا ہے ۔

اندلس کے دو عظیم و جلیل عالم و مفسر امام ابو بکر ابن العربی صاحب احکام القرآن اور امام ابو عبداللہ القرطبی صاحب الجامع لاحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبی نے عدل کے ان تینوں دائروں کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ آخر الذکر اگرچہ اول الذکر کے خوشہ چین ہیں تاہم ان کی بات اصالت و ابداع سے خالی بھی نہیں ہوتی ، لیکن ابن العربی کی بات ہی اور ہے ، چنانچہ لکھتے ہیں :

> ’’قولہ تعالی (بالعدل) وھو مع العالم وحقیقتہ التوسط بین طرفی النقیض وضدہ الجور ، و ذلک ان الباری خلق العالم مختلفا متضادا متقابلا مزدوجا و جعل العدل فی اطراد الأمور بین ذلک علی ان یکون الامر جاریا فیہ علی الوسط فی کل معنی‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ وہ عدل کا حکم دیتے ہیں ، یہ عدل تمام جہاں کے ساتھ ہے ، عدل کی معنوی حقیقت یہ ہے کہ نقیض کے ہر دو کناروں کے درمیان رستہ اختیار کیا جائے ، عدل کی ضد جور ہے ، چونکہ باری تعالیٰ نے جہاں کو تضاد ، اختلاف ، تقابل اور ازدواج یا ثنویت کی کیفیت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے ، اور اس جہاں کا کام کاج چلانے کے لئے عدل کی کیفیت کو تضاد ، اختلاف تقابل اور ثنویت کی کیفیت کے درمیان رکھا ہے تا کہ ہر معاملہ میں بات میانہ روی کے ساتھ جاری رہے ۔‘‘

گویا ابن العربی کے نزدیک عدل ایک حالت و کیفیت کا نام ہے جو تضاد اور اختلاف کی دنیا میں حد فاصل کا کام دیتی ہے ، عدل کے طفیل دو متضاد اور مقابل چیزیں باہم ٹکرانے سے محفوظ رہتی ہیں ، اگر عدل معدوم ہو جائے تو تضادات و اختلافات کی کیفیت باہم مقابل آ کر تباہی و بربادی کا وسیلہ بن جائے ۔ یہ اللہ رب العزت کی حکمتِ عادلانہ کا متوازن نظام ہے جو انسانی زندگی ، انسانی معاشرے اور پوری کائنات میں جب تک کارفرما ہے یہ دنیا باقی و دائم ہے ۔

اس کے بعد قاضی ابو بکر ابن العربی عدل کے تین دائروں کی تفصیل بیان کرتے ہیں ، ان میں سے ایک دائرہ بندہ و مولی عز و جل کے درمیان تعلقات پر مشتمل ہے چنانچہ بندہ اور اس کے رب کے درمیان رشتہ عدل سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دے ، اس کی رضا و خوشنودی کو اپنی خواہشات و جذبات پر مقدم رکھے ، جن باتوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے انہیں بجا لائے یعنی اس کے اوامر کی اطاعت کرے اور جن باتوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی نواہی کے ارتکاب سے بچتا رہے تو اس نے گویا اپنے اور اپنے پروردگار کے تعلقات کے ضمن میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کیا ۔

عدل کا دوسرا دائرہ بندہ اور اس کی اپنی ذات کے باہمی رشتہ سے تعلق رکھتا ہے جیسے خود کو ایسی باتوں سے روکے جن میں اس کی ہلاکت اور تباہی ہے (و نھی النفس عن الھوی ، یعنی جس نے خود کو ہوا و ہوس سے باز رکھا) طمع و حرص کی پیروی سے اجتناب کرنا اور ہر حال میں صبر و قناعت کا دامن تھامے رکھنا ، اگر یہ کیفیت قائم رکھ سکا تو بندہ نے اپنے آپ سے بھی عدل و انصاف کیا ۔

عدل کا تیسرا دائرہ بندہ اور دیگر مخلوق کے درمیانی رشتے کے متعلق ہے جس میں سرِفہرست خلقِ خدا کی خیر خواہی ، فلاح اور خدمت ہے ، ہر طرح کی خیانت و بد دیانتی سے پرہیز ، ہر لحاظ سے ان کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کرنا ، قول و فعل سے کسی کے ساتھ برائی نہ کرنا ، خفیہ و اعلانیہ سب کے ساتھ بھلائی چاہنا

حتٰی کہ برائی کا خیال یا ارادہ بھی دل میں نہ آنے دینا ، خلقِ خدا کی طرف سے اگر کوئی اذیت یا ہنگامی مصیبت بھی پہنچے تو اس پر صبر و ہمت سے کام لینا ، اللہ کی مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ انسان کسی کو اذیت یا تکلیف پہنچانے کا سبب نہ بنے - (احکام القرآن ص ۱۶۰)

قرطبی نے ابن العربی کی یہ تفسیر نقل کر کے اسے ہی کافی قرار دیا ہے لیکن عدل کے معانی و مفہوم کے ضمن میں بعض علمائے سلف کے اقوال بھی درج کئے ہیں حضرت علی رضی عنہ عدل کے معنی انصاف کرتے تھے ، دونوں میں معمولی فرق یہ ہے کہ انصاف کے معنی آدھا آدھا کرنا اور عدل کے معنی برابر برابر کرنا ، گویا آدھا آدھا اگر برابر ہو تو عدل بھی ہوا اور انصاف بھی ، ابن عطیہ کا قول نقل کرتے ہیں :

”العدل ھو کل مفروض من عقائد و شرائع فی اداء الأمانات و ترک الظلم والانصاف واعطاء الحق ، یعنی ادائے امانت ، ظلم نہ کرنے ، انصاف سے کام لینے اور حق دے دینے کے ضمن میں جو عقائد و شرعی احکام پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر فرض بات عدل کے ضمن میں آئے گی یعنی مذکورہ امور میں جو باتیں فرض ہیں ان کا پورا کرنا عدل ہے “ (الجامع لاحکام القرآن ۱۰/۱۶۶)

سفیان بن عینیہ کے نزدیک اس آیت کریمہ میں عدل سے مراد ”استواء السریرۃ “ یعنی باطن کا متوازن ہونا ہے (الجامع لا حکام القرآن ۶/۱۶۵)

محمد بن کعب القرظی حدیث و تفسیر کے ضمن میں ایک مستند نام کی حیثیت رکھتے ہیں ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وضاحت و تشریح طلب کی تو یہ کہتے ہوئے عدل کی تشریح ان کے لیے بھیجی کہ آپ نے ایک نہایت اہم بات دریافت کی ہے تو سنیے :

” کن لصغیر الناس أبا ولکبیرھم ابنا وللمثل منھم

اخا وللنساء كذلك وعاقب الناس على قدر ذنوبهم وعلى قدر أجسادهم ولا تضربن لغضبك سوطا واحدا فتكون من العادين ، یعنی چھوٹے لوگوں کے لیے باپ بن جائیے اور بڑوں کے لیے بیٹا اور اپنے برابر کے لوگوں کے لیے بھائی بن جائیے ، عورتوں کے لیے بھی (یہی تین مدارج ماں ، بیٹی ، بہن) اسی طرح کے مدارج تصور کر لیجیے لوگوں کو سزا دینے لگیں تو ان کے قصور اور جرائم کے ساتھ ان کی جسمانی کیفیت کو بھی مدِ نظر رکھیے ، اپنے ذاتی غصے کے سبب کسی کو ایک کوڑا بھی مت لگائیے ورنہ آپ حد سے تجاوز کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے" (روح المعانی ۱۴/ ۲۱۷)

تو یہ ہے عدل گستری کا وہ تصور جس پر نظام عدل قائم ہے اور عملی زندگی کے میدان میں بندگان خدا کی دنیا کے ساتھ ساتھ عاقبت سنوارنے کا باعث بھی ہے۔ اس میں راعی کو باپ ، بیٹا اور بھائی بن کر رعایا کے معاشی و معاشرتی امن و سکون اور مسرت و طمانینت کے لیے سراپا سایہٴ رحمت و شفقت بن کر عدل گستری کا فریضہ انجام دینا پڑتا ہے ، یہاں قانون کا نفاذ قانون برائے قانون اور یا سزا برائے سزا نہیں ہوتی بلکہ قانون محافظ ناموس آدمیت اور سایہ رحمت ہے اور سزا ایک تربیت ہونے کے علاوہ گناہ سے بخشش اور چھٹکارا حاصل کرنے کا وسیلہ بھی ہے ، حدود اللہ کی سزاؤں میں جہاں عبرت و نصیحت مقصود ہوتی ہے وہاں انسان کی دنیا و آخرت سنوارنا بھی پیش نظر ہوتا ہے اب اگر حلقہ بگوشان اسلام اپنے دلوں کی انتہائی گہرائیوں اور اپنے ایمان کی پوری حرارت کے ساتھ حدود اللہ کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے لئے بصد اصرار آگے بڑھتے ہیں یا اللہ کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے اور سزا پانے والوں کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں کہ اس کے خون کے قطرات میں وہ پاکیزگی اور طہارت ہے جو سات سمندروں کے پانیوں میں بھی نہیں تو اس پر کسی حیرت اور تعجب کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

کتاب اللہ اور شریعت غراء کے نظام عدل کی ایک مفصل جھلک دیکھنے سے پہلے اس ضمن میں علامہ شکری آلوسی (روح المعانی ۱۴/۲۱۷)کا بیان بھی سن لیجیے جو عدل کے معنی مدلول اور مفاہیم و مقاصد کے متعلق انہوں نے درج فرمایا ہے :

" اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ ؐ پر نازل فرمائی جو ہر شے کے لئے واضح بیان رکھتی ہے تبیانا لکل شئی - اس میں باری تعالیٰ عدل کا حکم دیتے ہیں یعنی افراط و تفریط کے دو کناروں کے درمیان والے راستے کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا جائے یہ صفت عدل اخلاقیات کے نظام میں تمام فضائل کی چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے ، جس کے ضمن میں وہ فضیلت بھی آتی ہے جس کا تعلق ملائکہ کی سی قوت عقلیہ سے ہے ، یہ قوت عقلیہ شیطان صفت عیارانہ عقل اور کند ذہنی کے درمیان درمیانی ہوتی ہے - اسی طرح اس صفت عدل کے ضمن میں وہ فضیلت بھی آتی ہے جس کا تعلق بہائم کی سی قوت شہوانی سے ہے یہ قوت شہوانی خلاعت یعنی آوارگی اور جمود کے درمیان کی صفت عفت و پاکدامنی ہے اور درندگی کی سی قوت غضبی کی فضیلت یعنی تہور اور بزدلی کے درمیان کی شجاعت و بہادری جیسے فضائل عدل کے تحت آتے ہیں ، عقیدہ کی حکمتوں میں سے عقیدہ توحید ہے جو دہریہ کے عقیدۂ صریح انکار اور نفی صفات وضائع قدرت ربانی اور ثنویت (دو خداؤں کا عقیدہ) اور وثنیت (بے شمار خداؤں کا عقیدہ یا بت پرستی) کے عقیدۂ شرک کے درمیان متوسط راستہ ہے ، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے (جیسا کہ بیہقی نے ان سے الاسماء و الصفات میں نقل کیا ہے) عدل کی اسی تشریح پر اکتفا کیا ہے -

بعض علماء نے ان حکمتوں میں ایک اور حکمت کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ ہے حکمت کسب (یعنی نیکی بدی کا اختیاری اقدام و عمل) جو محض جبر اور محض قدر کے درمیان کا معتدلانہ راستہ ہے ، عمل کی حکمتوں میں سے حکمت تعبُّد (یعنی

اللہ کا بندہ بن کر اطاعت اور عبادت کرنا) ہے جو فرائض و واجبات کی ادائیگی سے عبارت ہے اور جو بیکار رہنے بطالت اور ترک عمل (یعنی یہ خیال کرنا کہ نیک و بد اور سعید و شقی تو روز ازل سے متعین ہیں اب عمل کی کیا ضرورت) جیسا کہ بعض ملحدین کا مذہب ہے اور ترھب (یعنی راہب بن کر مباح چیزیں بھی چھوڑ دینا) کے درمیان کا راستہ ہے اور اخلاق حکمتوں میں سے جود و سخاوت ہے جو بخل و اسراف کے درمیان ہے۔

علامہ آلوسی نے علم الکلام کی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے لفظ عدل کی وہ تشریح بیان کی ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے نہایت سادہ انداز میں بیان فرمائی اور کہا کہ عدل تو کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور یہ کلمہ توحید اگرچہ مختصر بھی ہے اور سادہ بھی مگر اس میں قول و عمل کی تمام کائنات چھپی ہوئی ہے۔ یہ سادہ و مختصر صرف ان کے لئے ہے جو مسلمان ہونا آسان سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ۔

چو گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلات لا الہ را

علامہ آلوسی کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ عدل جسے ابن عباسؓ قادر مطلق کی توحید پر ایمان لانے سے تعبیر کرتے ہیں دراصل انسان کی شخصیت کو اعتدال و توازن عطا کرنے کا دوسرا نام ہے، طبیعت میں اعتدال و توازن کارفرما ہے تو انسان عدل پر قائم ہے اور جب تک انسان عدل پر قائم ہے۔ انسانی معاشرہ عدل کی عکاسی کرتا رہے گا اور نظام کائنات کسی خلل کے بغیر اعتدال و توازن کے اصول عدل کا پابند رہے گا، بات صرف اتنی ہے کہ کسی طرح حضرت انسان کی شخصیت پابند عدل ہو کر اعتدال و توازن کی راہ مستقیم اپنا لے۔ اسی میں انسانیت کے دکھوں کا مداوا پنہاں ہے اور یہی نظام اجتماعی کی فوز و فلاح کی کنجی ہے۔

لفظ عدل کی اس مختصر تشریح و توضیح کے بعد اب اس نظام عدل پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو رب کائنات نے اس کائنات میں قائم و دائم کر رکھا ہے۔ عدل کے معنی میں عربی زبان کے دو اور الفاظ بھی مستعمل ہیں اور وہ ہیں ''قسط'' اور ''انصف''، انصاف کے معنی ہیں دو حصوں میں یعنی نصف نصف بانٹا جائے، قسط کے معنی ہیں:

حصہ ، نصیب ، مقدار ، میزان ، پیمانہ ، رزق ، جز اور عدل ، مقسط وہ ہے جو کسی چیز کے دو حصے یا دو جز برابر برابر بنا دے ، عدل اور قسط تقریباً مترادف و ہم معنی ہیں ، قرآن کریم میں عدل و قسط اور مقسط یعنی عادل کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ۔ انصاف کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا ۔ اللہ کے نظامِ عدل کو قرآن کریم میں تمام پہلوؤں اور تمام کیفیتوں میں بڑے خوبصورت تنوع کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔ یہ خوبصورت تنوع اثر انگیز بھی ہے اور دل نشیں بھی ، اس سے اللہ تعالٰی کی وسیع و عریض کائنات میں جاری و ساری نظام عدل کی وسعت و گہرائی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس نظام عدل کے نافذ کرنے والے کی عظمت و ربوبیت پر ایمان لانے اور عمل کرنے کی بھی تلقین و تاکید ہوتی ہے ۔

نظام عدل امر ربی ہے :

جس طرح خالق انس و جان نے اجسام میں روح پھونکی اور انہیں حیات و نشاط سے بہرہ ور کیا اور اس نفخ روح کو ”امر ربی“ (قل الروح من امر ربی) سے تعبیر کیا گیا ۔ اسی طرح ربِ کائنات نے اس کائنات میں جس نظام کو جاری و ساری فرما کر اسے رواں دواں فرمایا ہے ، اس اجراء نظام عدل کو بھی قرآن کریم ”امر ربی“ سے تعبیر کرتا ہے ، گویا جس طرح جسم کی بقا روح کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح کائنات کی زندگی بھی نظام عدل پر موقوف ہے ۔ جس دن کائنات سے نظامِ عدل ناپید ہوا قیامت آ جائے گی ۔ بالکل ایسے ہی جیسے روح کے رخصت ہوتے ہی جسم پر موت طاری ہو جاتی ہے ۔

سورہ اعراف (مکی سورت آیت ۲۹) میں رسولؐ برحق کو یہ اعلان فرمانے کا حکم دیا جاتا ہے کہ :

> ”قل امر ربی بالقسط“ (آپ کہہ دیجئے ، میرے رب کا امر یہ ہے کہ عدل و انصاف کا نظام قائم کیا جائے) ۔“

عقیدہ توحید نظام عدل کی اصل اساس ہے ۔ اللہ عز و جل کی ذات سرمدی

وحدہ لاشریک ہے اس اصول کی شہادت حق بھی عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم ہے ، یہ شہادت حق ، اللہ رب العزت ، اس کے ملائکہ مقربین اور راسخون فی العلم نے دی ، اس عقیدۂ توحید کی حقانیت کی شہادت بھی نظام عدل کے اصولوں پر انجام پانے میں اس حقیقت کا احساس دلاتا ہے کہ نظام عدل و انصاف کو اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت میں کیا اہمیت و مرتبہ حاصل ہے ، جب ذات سرمدیت نے خود بھی اسی نظام عدل کو توحید کی شہادت حق کی اساس کے طور پر پسند فرمایا تو باقی کائنات میں عدل و انصاف کی اہمیت کا کیا مقام ہوگا ؟ سورہ آل عمران (۳ - ۱۸) کی اس آیت میں اسی شہادت حق کا ذکر ہے -

”شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو و الملائکۃ و اولوالعلم قائما بالقسط ، لا الہ الا ھو العزیز الحکیم - یعنی اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ، فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی شہادت دی کہ وہ باری تعالیٰ عدل و انصاف کے ساتھ قائم و دائم ہے ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ، وہ غالب و حکیم ہے -“

آیت کریمہ کے آخر میں باری تعالیٰ کے دو صفاتی نام کتاب اللہ کے اعجاز بیان اور حکمت کاملہ کی نشاندہی کرتے ہیں ، اسلوب قرآنی میں کوئی لفظ محض اتفاق یا بھرتی کا نہیں آتا ، بلکہ حکیم و خبیر کی حکمت مطلقہ اور علم تام کی رو سے موقع کی مناسبت سے اور صورت حال کے تقاضے کے عین مطابق لفظ وہی آئے گا جو درکار تھا اور اگر وہ نہ آتا تو بات نہ بنتی اور اگر ہٹا دیا جائے تو بات بگڑ جائے ، عزیز یا غالب اور حکیم و دانا ہونا جہاں قانون عدل و انصاف اور کائنات کے نظام عدل کی حکمت کی طرف اشارہ ہے وہاں یہ بھی مقصود ہے کہ نظام عدل اور قانون و انصاف کی تنفید و تطبیق غلبہ و قوت کی محتاج ہے اور اس قادر مطلق سے بڑھ کر حکیم و خبیر اور غالب و قوی کون ہو سکتا ہے لہٰذا اس کا نظام عدل کائنات میں جاری و ساری ہے اور اس کا قانون انصاف بھی نافذ ہے ، اگر کوئی ظالم و جابر

اپنی حقیر خصلتوں کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ اس غالب و دانا ذاتِ سرمدی کے نظام عدل اور قانون انصاف سے ٹکرانے کی حقیر و مذموم کوشش کرتا ہے ، اس کی یہ کوششِ ناپاک کائنات کے نظام عدل کے وسیع سمندر میں ایک پلید قطرہ کی ہے اور بس !

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع و عریض کائنات کا نظام عدل جو پختگی و حکمت کے ساتھ رو بعمل ہے وہ خلق اللہ اور اس کے لامحدود لشکر (وما یعلم جنود ربک الا ھو - ۷۴ : ۳۱) اس کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن اور قانون عدل و انصاف کے مطابق رواں دواں ہے ، اس لا محدود لشکر میں افلاک و بروج اور عناصر فطرت سے لے کر جن و انس میں اللہ کے عباد صالحین بھی شامل ہیں، اس اطاعت شعار و فرماں بردار گروہ منصف کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے :

> " وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق و بہ یعدلون۔ سورہ اعراف آیت ۱۸۱ - یعنی ہم نے جو مخلوق پیدا کر رکھی ہے - اس میں ایک گروہ منصف و عادل ہے جو حق کی راہِ ہدایت پر چلتا اور قانون حق کے مطابق عادلانہ اور منصفانہ روش بھی اپناتا ہے ۔"

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی لا محدود مخلوق اور وسیع کائنات میں یہی جماعت حق اور گروہ منصف ہے جو جہان رنگ و بو کی بقا کا راز ہے ، ذلیل و حقیر ظالموں کی مذموم حرکتوں کے باوجود یہ نظمِ کون و حیات جاری و ساری ہے تو اس میں اس روح عدل کا دخل ہے جو اس جماعتِ حق اور گروہ منصف و عادل کا مرہونِ منت ہے !

چونکہ نظم کون و حیات عدل و انصاف کا محتاج ہے اس لئے عادل مطلق عزیز و حکیم نے اپنے نبی آخرالزمان کو بھی یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ آپ امرِ ربی لے کر قیام عدل کے لیے معبوث ہوئے ہیں ، دعوت حق ، صبر و استقامت ، اہلِ ہوس کی ہوس پرستی سے اجتناب ، کتاب اللہ پر ایمان صادق اور اعتراف ربوبیت کے عین

وسط میں اپنی بعثت کا مقصد قیام عدل بتانے کا حکم ہے ، ارشاد خداوندی یوں ہے :

" فلذلک فادع واستقم کما أمرت ولا تتبع أھواء ھم و قل آمنت بما انزل اللہ من کتاب و أمرت لا عدل بینکم اللہ ربنا و ربکم ۔ الشوری ۔ آیت ۱۵ ۔ یعنی تو آپ یہی دعوت حق دیتے رہیے اور جیسے حکم دیا گیا ہے ویسے استقامت اختیار کیجیے ، ان ہوس پرستوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے اور کہہ دیجیے کہ میں اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان عدل و انصاف قائم کروں اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا اور تمھارا رب ہے ۔"

سورہ نحل کی جامع و کامل آیت اعجاز میں "ان اللہ یأمر بالعدل" کہہ کر انسانیت کی بقا ، سکون ، خوشی اور بہتری کے لیے تو نظام عدل کو لازم ٹھہرایا ہی گیا ہے مگر اسی سورت مبارکہ کی آیت چھہتر (۷۶) میں ایک عبرت آموز تمثیل کے ذریعے عدل و انصاف کی تلقین کرنے والے کے مقابلے میں ظلم پر سکوت و غفلت کا مظاہرہ کرنے والے کو گونگا ، نکما اور بوجھ قرار دے کر نظامِ عدل کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے ۔

"و ضرب اللہ مثلا رجلین احد ھما أبکم لا یقدر علی شئی وھو کل مولاہ ۔ اینما یوجھہ لا یأت بخیر ھل یستوی ھو ومن یأمر بالعدل وھو علی صراط مستقیم ؟ یعنی اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی مثال دیتے ہیں جن میں سے ایک گونگا ہے وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے کہ وہ اسے جہاں بھیجتا ہے کوئی بھلائی کا کام کر کے نہیں لوٹتا ، بھلا بتاؤ تو سہی کیا یہ شخص اور وہ جو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ صراط مستقیم پر بھی ہے دونوں برابر ہو سکتے ہیں ؟ "

قرآنی فلسفۂ سیاست یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کی بعثت نزول کتب اور میزان عدل کے نازل کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کا نظامِ زندگی نظام کائنات کی طرح عدل و انصاف پر چلے۔

" لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وأنزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ سورۂ الحدید۔ آیت ۲۵۔ یعنی ہم نے اپنے رسول بھیجے معجزات و نشانیاں دے کر ان کے ذریعے کتابیں اور میزان عدل (قانون انصاف) تاکہ لوگ عدل و انصاف کے مطابق نظام زندگی چلا سکیں "

عہد نبوی کے یہود معاصرین تحریف کتاب، حق سے اعراض، افترا پردازی اور خیانت و بد دیانتی میں تمام حدود کو پھلانگ چکے تھے مگر رسول عدل صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عدل نے یہود کے منصفین عادلین کے گروہ کی ستائش و استحسان کو ضروری سمجھا ہے جو دین اسلام کی سماحت و وسعت قلب و نظر کی دلیل ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ومن قوم موسی امۃ یھدون بالحق و بہ یعدلون۔ اعراف آیت ۱۵۹۔ یعنی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی اُمت میں بھی ایک جماعت ایسی ہے جو حق سے ہدایت پاتی اور حق کے قانون عدل کی پیروی کرتی ہے "

یہود کی غداری و خیانت اور اذیت رسانی کے باوجود ان کے جھگڑوں کو قانون عدل و انصاف کے مطابق نمٹانے کا حکم ہوا اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

" و ان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین۔ سورہ مائدہ آیت ۴۲۔ یعنی ان یہودیوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنا پڑے تو عدل و انصاف سے ہی فیصلہ کیجئے "

انسانی زندگی کے تین بڑے شعبے ہیں۔ نظام حکومت، کاروبار تجارت اور

عدالتی نظام ، ان تینوں شعبوں کے بارے میں الگ الگ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا حکم ہے نظام حکومت اور انتظامی معاملات کے میدان میں قیام عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ۔

"واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ۔ النسا ۵۸ ۔
یعنی جب لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے لگو تو قانون عدل کے احکام کی پیروی کرتے رہو"

قرآنی نظام عدل کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے تاریخ میں پہلی بار عدالتی نظام میں بنچ سسٹم کا حکم دیا جس میں ایک سے زائد جج باہم مشورے سے فیصلہ کرتے ہیں ۔ حکم ربانی ہے (حج کے دوران احرام کی حالت میں صید حرم کی جان لینے والے کے تاوان کے بارے میں ہے) ۔

"یحکم بہ ذوالعدل منکم ۔ مائدہ آیت ۹۵ ۔ یعنی اس کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبِ عدل جج کریں "

عدالتی نظام کے سلسلے میں قانون شہادت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ، شہادت حق کے لیے عدل و انصاف کے اصولوں کی پابندی کی جو تاکید قرآن کریم کے قانونِ شہادت میں ہے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی ، حکمِ ربانی ہے ۔

"واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ ۔ الطلاق آیت ۲ ۔ یعنی اپنے میں سے دو صاحب عدل گواہ بناؤ اور اللہ کے لیے اداء شہادت کے نظام کا حق ادا کرو "

شہادت حق اپنے یا اپنوں کے خلاف بھی ہو تو بھی قانون عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کا حکم ہے ۔

"یایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا

او فقیراً فاللہ اولی بھما ۔ النسا آیت ۳۵ ۔ یعنی اے ایمان والو
عدل و انصاف کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے اللہ کے لئے شہادت دینے والے
بن جاؤ خواہ یہ تمہارے اپنے اور تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں
کے خلاف ہی کیوں نہ ہو خواہ کوئی غریب ہو یا امیر ہو (اس کی پرواہ
نہ کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ قریب اور افضل ہے) ۔

شہادت حق کی ادائیگی اور عدل و انصاف کی پاسداری کے ضمن میں سورہ مائدہ کی آٹھویں آیت تو عالمِ انسانیت کے لئے روشن مینار اور دائمی پیغام کی حیثیت رکھتی ہے ۔

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ۔
ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب
للتقوی و اتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ۵ : ۸

(اے ایمان والو ! انصاف کی خاطر اللہ کے لئے گواہی کی ذمہ داری سنبھالنے والے بن جاؤ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں انصاف نہ کرنے کے جرم پر آمادہ نہ کرنے پائے، عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ۔ اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتے ہیں ۔)

آیہ مبارکہ کا یہ نقطہ خاص قابل غور ہے کہ شہادت حق اور عدل کے میدان میں طرف داری یا عداوت کی اجازت نہیں ہے ۔ شہادت اگر کافر، منکر یا دشمن کے حق میں ہو ، اپنے اور اپنوں کے خلاف ہو یا اس سے خود کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو شہادت بہر حال ایک امانتِ حق ہے اور اس امانت کا ہر صورت میں حقدار تک پہنچنا لازم ہے ، اسی طرح عدل و انصاف بھی دوست و دشمن ، اپنے اور غیر سب کے لیے یکساں استحقاق کی حیثیت رکھتا ہے بندۂ مومن کا کام اظہار و اعلان حق ہے حق کے مطابق بلا لحاظ خوف یا طمع فیصلہ کرنا بندۂ مومن کی پہچان ہے ۔ شہادت حق ہو یا قیام عدل ہو ہر صورت اور ہر حالت میں حق کا مکمل ساتھ دینا قرآن کا فلسفہ زندگی ہے ۔ کیونکہ معاشرتی زندگی میں اطمینان و سکون کے ساتھ

بھروسے اور اعتماد کی فضا صرف قیام عدل اور ادائے شہادت حق پر موقوف ہے ، جب تک اعتماد اور بھروسے کی فضا قائم رہتی ہے اس وقت تک معاشرہ اطمینان اور سکون سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے لیکن جوں ہی عدل اٹھ جاتا ہے بھروسے اور اعتماد کی فضا مکدر ہو جاتی ہے تو پھر فساد و تباہی کے تمام دروازے کھل جایا کرتے ہیں جو انسانیت پر عرصہ حیات تنگ کر دیتے ہیں !

قرآنی نظام عدل نے زندگی کے کسی اہم پہلو کو فراموش یا نظر انداز نہیں کیا زبان اور قلم کو بھی قانون عدل کا پابند بنایا گیا ہے ، سچ بات کی زد میں خواہ اپنے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ہر حال میں سچ بات کہنا ہے اور سچ کے سوا کچھ کہنا بندۂ مومن کی شان کے خلاف ہے -

" واذا قلتم فاعدلوا ولوكان ذاقربى - انعام ، آیت ۱۵۲ - یعنی جب منہ سے بولو تو انصاف کی بات کرو خواہ اس کی زد میں تمھارے رشتہ دار ہی کیوں نہ آتے ہوں -

پھر نوکِ قلم کو بھی حرف حق کا پابند بنا دیا گیا ہے ، ارشاد ہوتا ہے -

" وليكتب بينكم كاتب بالعدل - بقره - آیت ۲۸۲ - یعنی ہر لکھنے والے کو عدل و انصاف کے اصول پر دستاویز کو ضبط تحریر میں لانا ہوگا !

کاروبار زندگی اور لین دین یا تجارت ایک نہایت اہم میدان عمل ہے اس میدان میں ناپ تول میں صدق و صفائی اور حق و انصاف کو ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا ، حضرت لوط[ؑ] کی زبانی انسانیت کو پیغام عدل و انصاف اور تجارت میں صدق و صفا کا حکم ملتا ہے -

" ویا قوم اوفوا المكيال والميزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشياءهم - هود آیت ۸۵ - یعنی اے قوم ! ناپ تول کا نظام رکھو اور انصاف سے کام لو ، لوگوں کے لیے مال میں ہیر پھیر یا کھوٹ ملانے کی کوشش مت کرو "

جس طرح نظام کائنات اعتدال و توازن کا مرہون منت ہے اسی طرح ناپ تول اور کاروبار تجارت کا میزان بھی عدل و انصاف کا محتاج ہے ۔ نظامِ کائنات کے اعتدال و توازن میں خلل کے معنی قیامت ہے اور نظام تجارت سے عدل و انصاف کے ترازو کا مفقود ہو جانا بربادی کا پیشِ خیمہ ہے ، ارشاد ربانی ہے ۔

> ”والسماء رفعها و وضع المیزان الاتطغوا فی المیزان و أقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان (سورہ رحمٰن آیت ۷ ۔ ۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا اور انصاف کا ترازو قائم کیا میزان یا ترازو میں سرکشی مت دکھاؤ ، ناپ تول کا سلسلہ انصاف سے قائم رکھو اور میزان میں خسارہ یا کھوٹ کی کوشش مت کرو“

مصالحت اور قیام امن بھی عدل و انصاف سے ہی ممکن ہے ۔

> ”فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ۔ سورہ حجرات آیت ۹ ۔ یعنی دو گروہوں میں عدل کے ساتھ مصالحت کرواؤ اور انصاف کرو ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف سے کام لینے والوں کو پسند فرماتے ہیں“

ضعیفوں ، بے نواؤں اور کمزوروں کے لیے عدل و انصاف مہیا کرنے کا خصوصی حکم ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

> ”والمستضعفین من الولدان وأن تقوموا للیتامی بالقسط ۔ نساء آیت ۱۲۷ ۔ یعنی کمزور بچوں کا خیال رکھو اور یتیم بچوں کے ساتھ معاملات کا انتظام عدل و انصاف سے کرو“

کتاب اللہ کا نظام عدل روز ازل میں اللہ رب العزت کے عدل و انصاف کے ساتھ شہادت توحید سے شروع ہوتا ۔ زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سموتا ہوا روز قیامت میں عادل مطلق جل جلالہ کے بے مثال عدل پر ختم ہوتا ہے ، تاکہ عالم انسانیت پر

واضح رہے کہ آغاز و انجام کا معاملہ اس قادر مطلق ہاتھ میں ہے جس نے روز ازل میں اپنے سمیت سب کو عدل کی پاسداری کا عہد دیا اور جو قیامت میں بھی عدل کے ترازو سے کسی کی جزا و سزا میں کمی بیشی گوارا نہیں فرمائے گا۔

"انہ یبدا الخلق ثم یعیدہ لیجزی الذین آمنوا و عملوا الصالحات بالقسط۔ یونس آیت ۴۔ یعنی وہ خلق کا آغاز کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے سکے!

و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا انبیاء آیت ۴۷۔ یعنی ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کریں گے تاکہ کسی نفس پر ذرہ بھی ظلم نہ ہونے پائے"

"ولوأن لکل نفس ظلمت ما فی الأرض لا فتدت بہ وأسروا الندامۃ لماراُوا العذاب وقضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون۔ یونس ۵۴۔ یعنی ظلم کرنے والے انسان کے بس میں اگر روئے زمین کی تمام دولت بھی ہو تو وہ بطور فدیہ دے دے مگر وہ ندامت کو چھپائیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ ان کے معاملے کا فیصلہ انصاف سے ہوگا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

عدل و انصاف کی نظام زندگی کے تمام پہلوؤں اور عملی میدانوں میں جو اہمیت اور نظم کون جس نظام اعتدال و توازن کا مرہون منت ، اس پر گزشتہ سطور میں بیان کردہ معارف قرآنی شاہد عدل ہیں اس لیے اب روز ازل سے لےکر قیام قیامت تک کے تمام مراحل میں میزان عدل کا کردار کسی مزید وضاحت یا دلیل کا محتاج نہیں ، عدل کی ضد جور اور ظلم ہے جو اللہ کے نزدیک کفر جیسی لعنت سے بھی بڑھ کر ہے ، کافر کی حکومت تو باقی رہ سکتی ہے مگر ظالم کی حکمرانی کو کبھی دوام و ثبات میسر نہیں آ سکے گا ، چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

"الملک یبقی بالکفر ولا یبقی بالظلم - یعنی کفر کی موجودگی میں بھی کافر کی سلطنت باقی رہ سکتی ہے مگر ظلم کی حکومت کبھی باقی نہیں رہ سکتی -

عدل زندگی کی بقا کی ضمانت ہے یہ عدل جہاں دنیا کی رونق کی علامت ہے اسی عدل سے نظم کون رواں دواں ہے عدل سے اعراض کرنے والے ظالم و جابر کبھی پنپ نہیں سکتے، ظلم کی عمر بہت مختصر اور ظلم نوازی بے حد حقیر ہوتی ہے ، ذلت و رسوائی اور لعنت ابدی ظلم اور ظالم کا مقدر ہے ، عدل و انصاف کے لیے بندۂ مومن اس کائنات میں مامور من اللہ ہے اور ارض و سماء کی وراثت اسی عبد صالح کا مقدر ہے لیکن ظلم کا مقدر حسرت کی موت ہے ، عدل کا مقدر غیر فانی مسرت و شادمانی ہے ، قرآنی احکام عدل کی حدود و قیود انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے کسی شعبہ کا استثناء نہیں کرتیں ، بلکہ نظام کائنات بھی اسی عدل و انصاف کے سہارے باقی و دائم ہے - اللہ کا عادلانہ نظام رحمت کائنات ارض و سما اور بشریت کے تمام گوشوں کو اپنے حلقۂ رحمت میں لئے ہوئے ہے اور یوں و تمت کلمت ربک صدقا و عدلا (تیرے رب کے صدق و عدل کی بات مکمل ہوئی) کی عملی تفسیر و تعبیر سامنے آ جاتی ہے -